

# اسلام میں اشتراکیت

(از جناب مولانا عبد اللہ العسادی)

اللہ کو شرک پسند نہیں، عبد اللہ کو اسی لیے شرکت تک سے کراہت ہے۔ لیکن ”اشتراک“ اگرچہ ”شرک“ ہی ہے با این ہمہ خود شرک سے ہر جگہ شرک باللہ ہی مراد نہیں۔ اپنے حصے کی زمین کا اشتراک کو نصف یا ثلث پیداوار کے معاہدہ پر دینے کو بھی شرک کہتے تھے۔ معاذ بن جبل کی حدیث میں ہے کہ اتہ اجازت بین اهل الیمن الشراک۔ عمر بن عبد العزیز سے مروی ہے کہ ان الشراک جائزہ محدثین نے اس کے معنی اشتراک فی الارض لیے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الناس شراکاء فی ثلاث، ”تین چیزوں میں سب لوگ برابر کے شریک ہیں، الکلاء، والماء، والنار“ ”جانوروں کے حلف میں، پانی میں، اور ایندھن میں“ محدثین اس کے لیے اصول قرار دیتے ہیں کہ کل عفو غیر مملوک فالناس فیہ مستون، ”فالتو چیز جو کسی کی ملکیت ہو اس میں سب برابر ہیں“

تہذیب فرنگ نے اشتراکیت کو آجکل ایک مخصوص مذہب بنا رکھا ہے یہ مذہب کیا ہے اور کیسا ہے؟ اس سے یہاں بحث نہیں۔ عبد اللہ کا مبلغ اسی حد تک ہے جہاں تک شریعت الہی میں آثار مل سکیں۔

جائز اشتراکیت کی استواری میں ”زکاۃ“ کو بڑا دخل ہے۔ واصل الزکاۃ؛ الطہارۃ

والنماء، والبرکۃ، والمدح۔ زکا کے اصل معنی ہیں پاکیزگی، افزائش، برکت، حمد و بھنا۔ وکل ذلك قد استعمل فی القرآن والحديث۔ قرآن و حدیث میں یہ تمام معانی استعمال ہوئے ہیں۔

فالنكاح تطهيرٌ للمال، وتشميرٌ، واصلاحٌ، ونماءٌ۔ زکاة مال کو ظاہر کر دیتی ہے، اپنا وار  
بڑھاتی ہے، صلاحیت لاتی ہے، اور دولت کو قابلِ نشوونما بناتی ہے۔

وعن علقمة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان من تمام اسلامكم  
ان تؤدوا الزكاة اموالكم۔ ”تمہارے اسلام کی تکمیل اسی میں ہے کہ مال کی زکاة دو۔“

وعن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اخراج الزكاة من مالك، فانما  
طهورٌ يطهرك الله وتصل وتعرف حق السائل والجار والمسكين ولا تبذرها تبذيرا۔ ”مال کی  
زکاة نکالو، اس کے ذریعہ اللہ تمہیں پاک کرے گا، صدقہ کی توفیق دے گا، سائل اور مہسایہ اور مسکین کی حق شناسی  
ہوگی، لیکن اسراف نہ کرنا، ماہرگز نہ کرنا۔“

وعن بريدة: ما منع قوم الزكاة الا ابتلاهم الله بالسنين۔ ”جس قوم نے زکاة روک  
دی اللہ تعالیٰ نے اسکو محظوظ و تنگدستی میں مبتلا کر دیا۔“

وعن ابن عمر: لا يقبل الله الا ايماناً والصلوة الا بزكاة۔ ”بغیر زکاة ویسے اللہ تعالیٰ  
نہ ایمان کو قبول کرتا ہے نہ نماز کو۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاذ بن جبل کو مین روانہ کر رہے ہیں، ہدایت یہ ہے کہ اقلک تاتی قیماً  
اہل الکتاب، تم ایک ایسی قوم میں جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں، فادعهم الی شهادۃ دن لا  
الہ الا اللہ وانی رسول اللہ، انھیں لا الہ الا اللہ کی دعوت دو اور میرے رسول اللہ ہونے کا اقرار لو  
فان ہم اطاعوك لذلك فاعلمهم ان الله انترض عليهم خمس صلوات فی کل یوم وليلة،  
اگر وہ مان لیں تو کہو کہ اللہ تعالیٰ نے شب و روز میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، فان ہم اطاعوك  
لذلك فاعلمهم ان الله انترض عليهم صدقتی فی اموالهم تؤخذ من اغنیائهم وترد فی  
فقرائهم، اسکو بھی مان میں تو کہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر مال کی زکاة فرض کی ہے کہ دو تہمندوں کی جائے

اور حاجتمندوں کو دی جائے، فان اطاعوك فایا ك وكرا ثم اموالهم، یہ سب کچھ مان لیں تو خبردار ان کے منتخب مال پر دست دہاڑی نہ کرنا، و اتق دعوة المظلوم فانها ليس بيننا وبين الله حجاب، مظلوم کی بددعا سے بچو، اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں۔

ولما توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم وامتخلف ابو بكر بعد ذلك وكفر من كفر من العرب قال عمر بن الخطاب لابي بكر: كيف نقاتل الناس وقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أمرت ان اقاتل الناس حتى يقولوا لا اله الا الله، فمن قال لا اله الا الله عصم مني ماله ونفسه الا بجهته، وحسابي على الله، رسول الله صلى الله عليه وسلم جب رفیق اعلیٰ سے جا ملے، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت کے جانشین ہوئے، بہتر سے عرب کافر ہو گئے، تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صدیق اکبر سے پوچھا کہ جو لوگ کلمہ طیبہ کے قائل ہی آپ بن سے کیسے لڑینگے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا تھا کہ ”مجھے حکم ہے کہ لوگوں سے قتال کرنا یہاں تک کہ لا الہ الا اللہ کے قائل ہو جائیں، جو لا الہ الا اللہ کا قائل ہو اس کا مال اور اسکی جان بچ گئی، بجز حقوق کے کہ ناگزیر ہیں، اسکا حساب اللہ پر ہے۔“

فقال ابو بكر: والله لا قاتلن من فرق بين الصلاة والزكاة، فان الزكاة حق المال، والله لو منعوني عقاقمًا كانوا يؤدونها لرسول الله صلى الله عليه وسلم لقاتلتهم على منعه۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ نماز اور زکاۃ کے درمیان جس نے تفریق کی اللہ شاہد ہے کہ میں تو اس سے ضرور لڑونگا۔ زکاۃ تو بیت المال کا حق ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں اگر سال بھر کا ایک بچہ پیش کرتے رہے ہوں اور مجھے نہ دیں تو ایسی حقیر شے کے روک رکھنے پر بھی اللہ شاہد ہے کہ میں لڑونگا۔

قال عمر بن الخطاب: فوالله ما هو الا ان رأيت الله قد شرح صدر ابي بكر

للقاتل، فصرفت اللہ الحق۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اب میں نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکرؓ کا سینہ فراخ کر دیا تھا، شرح صدر فرمایا تھا کہ لڑنا ضروری ہے، اب میں سمجھا کہ حق وہی تھا جو ابوبکرؓ کے تھے۔ ان روایات و آثار کے زیر سایہ اب اصل مبحث پر نظر کیجیے۔

## اصول تعاون

هَآ أَنْتُمْ هُوَ لَا تَدْعُونَ لِتَنْفِقُوا  
فِي سَبِيلِ اللَّهِ، فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْغِلُ وَمَنْ يَتَخَلَّ  
فَإِنَّمَا يَبْغِلُ مَعَنَ نَفْسِهِ، وَاللَّهُ غَنِيٌّ وَأَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ  
وَإِنْ تَوَلَّوْا يَتَبَدَّلِ قَوْمًا غَيْرَكُمْ، ثُمَّ  
لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ۔

تم لوگ سن رکھو کہ تمہیں راہ خدا میں خرچ کرنے کو بلایا جا رہا ہے۔ اس پر بھی تم میں ایسے ہیں جو بغل کرتے ہیں اور بغل کرتا ہے تو حقیقت میں خود اپنے ہی سے بغل کرتا ہے۔ اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو۔ اگر تم روگردانی کر دو گے تو تمہارے سوا دوسرے لوگوں کو لا بٹھائیگا، پھر وہ تم جیسے نہ ہونگے۔

قانون قدرت کا فیصلہ یہ ہے کہ دنیا میں وہی قوم و ذرہ رہ سکتی ہے جسے اپنی زندگی کے وسائل فراہم کرنے کی توفیق ملی ہو۔ بابل کی عظیم الشان سلطنت کو یاد کرو۔ اس کے حیرت خیز تمدن کو دیکھو۔ دنیا کی وہ مشہور ترین قوم جس نے اپنی کلوں اور ایجادوں اور علم و فضل و تہذیب و شایستگی کے ذرائع سے عراق کو منور و بہشت بنا رکھا ہو، جسکی عجیب و غریب مدنیت نے اس نئی و نئی میدان میں، جو آج ناحیہ کو فر کا میدان مشہور ہے، تمدنی و عمرانی حیثیتوں سے لندن اور پیرس کے عجائب جگجگ کر رکھے ہوں، جسکے باغ آویزاں اور جسے لڑناں کی نظیر چار ہزار برس گزرنے پر بھی زمانہ پیش نہ کر سکا، جسکی رفعت و شان و سر بلندی کے افسانے آسمانی کتابوں میں بھی مذکور ہوں، اتنی بڑی الوالعزم قوم کی ایسی شاندار ترقیاں کسطح خاک میں مل گئیں کہ آج اس دنیا میں اس قوم کا ایک فرد بھی موجود نہیں۔ سلطنتیں قائم ہوتی ہیں اور مٹ جاتی ہیں۔ تمدن کے جھونکے آتے بھی ہیں اور چلے بھی جاتے ہیں۔ ترقی کا میدان وسیع بھی ہوتا ہے

اور تنگ بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ تنزل اور خود فراموشی کی انتہائی معیتیں بھی کسی قوم کو یکبارگی فنا کر دینے میں کامیاب نہیں ہوتی ہیں۔ آریوں نے باختر سے نکل کر ہندوستان کا رخ کیا اور قدیم ترین ننانے کے ہندوستانی باشندوں کو جنہیں عرف عام میں غیر آریہ کہا جاتا ہے، ان کے گھروں سے بیدخل ہی نہ کیا بلکہ اپنی بہترین طاقتوں کی کوششیں اس پر مرکوز کر دیں کہ جس طرح بھی ہو سکے یہ قوم مٹ جائے۔ یہ جابرانہ حملے اب تک جاری ہیں۔ مگر اتنے بڑے مقابلے میں بھی یہ وحشی قوم ہمت نہ ہاری اور آریوں کو اسکے فنا کر دینے میں تین ہزار برس کی طویل صدیاں بھی مدد نہ دے سکیں۔ کج بھی پہاڑوں کے دامن میں اس قوم کی یادگاریں بھیل، گونڈ، بھڑکے نام سے ہندوستان پر اپنی قوم کی ملکیت کا ثبوت دینے کے لیے موجود ہیں۔ پھر کیا بات ہوئی کہ ان پیہم سخت گیریوں پر بھی اس وحشی قوم سے تو اب تک دنیا خالی نہیں ہوئی، اور وہ قوم ایسی مٹی کے زمانے میں اس نسل کا کوئی نام لینے والا بھی نہ رہا؟

اس عقدے کو حل کرنے کے لیے قیاسات کے دامن میں پناہ لینے کی ضرورت نہیں۔ واقعات پر غور کرنے سے یہ راز خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔ موسیٰ مورگن نے آثار قدیمہ کی تلاش میں بابل اور نینوتی کی قدیم یادگاروں کا ایک بڑا ذخیرہ ڈھونڈ نکالا ہے۔ انیٹ اور پتھر کی سلوں پر خط تصویریں صدیاں کتابے ملے ہیں جن کا ترجمہ علمائے آثار نے کئی سال کی محنت سے شائع کیا ہے۔ اس ترجمہ کے حبتہ حبتہ مضامین سے صاف پتہ چلتا ہے کہ بابل والوں میں خود غرضی و خود پسندی کا رفرما تھی۔ اپنی قوم کے مستحقین کی نفع رسانی کا باقاعدہ انتظام نہ تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ آخری زمانے میں یہ روش عام ہو گئی تھی اور ملک بھر میں کوئی ایسا نہ تھا جسے اپنی فکر سے اتنی مہلت ملتی کہ اپنے درمائدہ بھائیوں کی مشکلیں محسوس کر کے انکی دستگیری کے لیے کسی معقول انتظام کی تحریک کرتا۔ ایسی افسوسناک حالتیں جب کسی قوم میں وسیع ہوئی ہیں تو ان کا ازالہ اسی وقت ہوا ہے جب وہ قوم ہی فنا ہوئی ہے۔ قدرت سے

بابل والوں کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا اور اسی قانون کے اثر نے آخر اس قوم کو ایسا برباد کیا کہ اس نسل کی تمام یادگاریں ہمیشہ کیلئے معدوم و منقطع ہو گئیں۔

ہندوستان کے غیر آریوں کی یہ حالت نہ تھی۔ ممکن ہے وہ وحشی ہوں، غیر تمدن ہوں، دانے کے ساتھ چلنے کے اصول سے بے خبر ہوں، اور ان میں اتنا بل بوتہ بھی ہو کہ آریوں کی زبردستی کا مقابلہ کرنے میں کامیاب ہوتے۔ لیکن ان سب کمزوریوں کے ساتھ ان میں یہ بات تھی کہ آپس میں جسکو حاجت مند دیکھتے اسکی حاجت روائی کی کوئی نہ کوئی تدبیر کرتے۔ بعض حالتوں میں مفید تدبیر بے قاعدگی کے ساتھ بھی جان بچانے کے لیے کافی ہو جاتی ہیں۔ سردیوں میں تم نے دیکھا ہو گا کہ جنگلوں میں درختوں کے تلے ان وحشی قوموں کے جھونپڑے ہیں، آگ روشن ہے، ایک شخص اٹھتا ہے، حشرات الارض پکڑ لاتا ہے، سب جمع ہو جاتے ہیں، بھونٹتے ہیں اور مل جل کر کھاتے ہیں۔

ہندوستان ہی میں بمبئی اور سورت کے پیروان زرتشت مجوسی بھی تمہارے درمیان رہتے بیٹے ہیں انکی خوشحالی کا تذکرہ تم نے بار بار کیا ہو گا۔ کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ رستم کا گرز، فریدون کا درفش کاویانی، کیخسرو کا جام جہاں نما، نوشیروان کا تاج و تخت جس قوم سے چھین گیا ہو اور وہ پر دین میں غربت کی زندگی بسر کر رہی ہو، کیا سبب ہے، کہ اسکی قومیت میں اب تک زوال نہیں آیا؟ اس سوال کا جواب مجوسی قوم کی تنظیم ہے۔ انہوں نے اپنی آبادیوں کے مرکز میں باقاعدہ مجلسیں قائم کر رکھی ہیں جو دمانے کے ساتھ ساتھ ترقی کرتی جاتی ہیں۔ ساری قوم ان مجلسوں سے وابستہ ہے۔ ہندوستان کے کسی گوشے میں کوئی مجوسی مجلس ہو گیا ہو انجن اپنے دفتر معلومات کے ذریعے اس کا پتہ لگا کر اسکی بسراوقات کے لیے فوراً کوئی نہ کوئی انتظام کر دیگی۔ غریب خاندانوں کی تعلیم اور بیروزگاریوں کی معاش کا سامان اس انجن کے فرائض میں داخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طرح طرح کے مصائب و حوادث کا مقابلہ کرنے پر بھی یہ قوم زندہ ہے اور زندگی کے تمام آثار اس میں موجود ہیں۔

دنیا کی زندہ و مردہ قوموں کی اگر کوئی تاریخ لکھی جائے اور انکی موت و حیات کے اسباب پر فلسفہ تاریخ کی روشنی ڈالی جائے تو صاف نظر آئیگا کہ ہر زمانے میں قوموں کی ہستی و نیستی میں اس خاص سبب کا ایک بڑی حد تک دخل رہا ہے۔ اسی نظام کے تحت رہ کر انھوں نے ترقی کی ہے اور پھر اسی نظام کی بدولت ان کے تنزل اور بربادی کا پیش خمیہ بنی ہے۔

اسلام کے قانون اساسی یعنی قرآن کریم نے اس مسئلہ پر کافی توجیہ کی اور تصریح کر دی کہ اسلام کا جزو اعظم یہ ہے کہ معقول پیرایہ میں حاجت مندوں کی حاجت روائی کی جائے۔ وحی الہی نے اسی قاعدہ کو اسلام کا اصولی قاعدہ قرار دیا اور ملی زبان میں اس کا نام اصول تعاون رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس اصول کی پابندی کی نسبت مسلمانوں کو اتنی تاکید کی ہے کہ بہت کم فرائض کی نسبت ایسے جوش و خروش کے احکام ہونگے۔ ملاحظہ ہو:

جو لوگ اپنے مل راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں انکی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات خوشے پیدا ہو ہر خوشے میں سو دانے، اور اللہ بركت دیتا ہو جس کو چاہتا ہے اور گنجائش والا واقعہ ہے۔

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سَبِيلَةٍ مِائَةٌ حَبَّةٌ، وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ، وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ،

جو لوگ اپنے مال راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کیو پیچھے احسان نہیں جملتے اور نہ ایذا دیتے ہیں ان کو اسکا ثواب ان کے پروردگار کے پاس ملیگا، نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ آزرده خاطر ہونگے۔

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ مَا الْفُقَرَاءُ مَاؤَ لَا إِذَى لَكُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا تَخَافُ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَخَافُونَ،

نرمی سے جواب دینا اور درگزر کرنا اس صدقہ سے بہتر ہے جسکو دینے پیچھے ایذا ہو اور اللہ بے نیاز بردبار ہے۔

قَوْلُ الْمُعْتَرِفِينَ وَمَغْفِرَ الْخَيْرِ، مَنْ صَدَقَ فَلَهُ يَنْجُمَا إِذَى، وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ  
بِالْمَنِّ وَالْأَذَى، كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِثَاءَ النَّاسِ  
وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ  
صَفْوَانٍ عَلَيْهِ ثَرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ  
صَلْدًا، لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا،  
وَاللَّهُ لَا يَمُدُّ الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ،

یہ ٹھیکہ، اور اللہ ناشکروں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ  
ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ  
كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُوعًا  
ضِعْفَيْنِ، فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلَّ وَاللَّهُ  
بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ۔

أَيُّودٌ أَحَدُكُمْ أَن تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ  
مِّن نَّجِيلٍ فَرَأَتْهَا مِن تَحْتِهَا الْأَشْجَارُ  
كَذَلِكَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ  
وَلَهُ ذُرِّيَّتَةٌ ضَعْفَاءٌ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ  
فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ  
لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا انْفِقُوا مِن

لے لوگو کہ ایمان لائے، اپنے صدقات کو احسان حب سے  
اور ایذا دینے سے اس شخص کی طرح امارت نہ کرو جو اپنا  
مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ کا  
اور پیمبر آخر کا یقین نہیں رکھتا۔ اسکی مثال اس چٹان کی  
سی ہے کہ اس پر مٹی ہوا پھر اس پر برسنا نہ رکھتا اور اسکو  
سپاٹ کر گیا۔ یہاں لوگوں کو ایسے خرچ سے کچھ بھی ہاتھ

جو لوگ اللہ کی رضا جوئی کیلئے اور اپنی نیت ثابت رکھ کے  
اپنے مال خرچ کرتے ہیں انکی مثال ایک باغ کی سی ہے جو بلندی  
پر ہے، اس پر پڑا زور کا سینہ تو وہ وہ چند پھل لایا اور  
اگر اس پر زور کا سینہ نہ پڑا تو پھل بھی چور بھی کتر بھی  
تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ دیکھ رہا ہے۔

جدا تم میں کوئی بھی اس بات کو پسند کر گیا کہ اسکے پاس کھجوروں  
اور انگوروں کا ایک باغ ہو، اسکے تلے نہیں یہ رہی ہوں،  
ہر طرح کے پھل اسکو وہاں میسر ہوں، اس سال میں بڑھاپے  
نے اسکو لیا اسکے ہاتھ تو ان بچے ہیں اب اس باغ پر چلا گیا  
گولا جس میں تھی آگ، باغ جل کر رہ گیا۔ اسی طرح اللہ  
اپنے احکام کھول کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم غور کرو۔

اے لوگو کہ ایمان لائے، اچھی چیزوں میں سے انفاق



كَلِمَاتٍ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ  
الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ  
وَلَنْتُمْ بِأَخْذِ يَدِ الْآلِ أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ، وَ  
اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَمِيدٌ،

میں چشم پوشی کر جاؤ۔ جانے رہو کہ اللہ بے نیاز سزاوار مہربان ہے۔

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفِتْرَةَ وَيَا مَرَّكُمْ  
بِالْفِتْنَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً وَفَضْلًا  
وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ - يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَ  
مَنْ يُؤْتِ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا،  
وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ -

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ  
نَذِيرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهَا، وَمَا لِلظَّالِمِينَ  
مِنْ أَنْصَارٍ -

وَأَنْ تُبَدُّوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا  
بِهِ، وَإِنْ تُخَفُّوهُمُ أَوْ تُوَفُّوهُمُ الْفُقَرَاءَ  
فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ  
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ -

لَيْسَ عَلَيْكُمْ حُدُودٌ وَأَنْتُمْ  
بِعَدْوِيٍّ مِنْ يَشَاءُ، وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ

کرد، جو تم نے کمائی ہوں اور جو ہم نے تمہارے لیے زمین  
سے پیدا کی ہوں۔ اور ناکارہ چیز کے دینے کا ارادہ بھی نہ کرنا  
کہ لو اس میں سے خرچ کرنے حالانکہ وہی چیز کوئی تم کو دینی  
چاہے تو تم اسکو کبھی خوشدلی سے نہ لو، الا یہ کہ اسکے لینے

شیطان تمہیں تنگدستی سے ڈراتا اور شرم کی بات پر زبردستی  
کر رہا ہے۔ اور اللہ اپنی ان سے معافی اور برکت کا تم سے  
 وعدہ کرتا ہے اور اللہ گنجائش والا، سب کے حال سے آگاہ ہے  
جسے چاہتا ہے بگاڑ دیتا ہے اور جسے سمجھ دی گئی توبہ شک  
اس نے بڑی دولت پائی اور نصیحت بھی وہی مانتے ہیں جو  
ذی انہم ہیں۔  
جو خرچ بھی تم کرو یا کوئی سنت مانو وہ اللہ کو معلوم  
ہے۔ اور جو لوگ حق مارتے ہیں کوئی ان کا مددگار  
نہ ہوگا۔

اگر صدقہ ظاہر میں دو تو وہ بھی اچھا اور اگر حاجت مندوں  
کو چھپا کر دو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، ایسا دینا  
تمہارے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ  
اس سے باخبر ہے۔

ان لوگوں کو راہ راست پر لانا تمہارے ذمے نہیں بلکہ اللہ  
جسے چاہتا ہے راہ راست پر لاتا ہے۔ تم لوگ مل میں سے

جو کچھ بھی خرچ کرو گے تمہارے اپنے لیے بھلا ہے۔ اور تم جو کچھ خرچ کرتے ہو اللہ کی رضا کی امید ہی میں کرتے ہو۔ اور تم لوگ مال میں سے جو کچھ بھی خرچ کرو گے تمہیں پورا پورا دیدار یا جائیگا

فَلَا تَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ  
اللَّهِ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُؤْتِ إِيَّاكُمْ وَأَنْتُمْ  
لَا تَظْلَمُونَ -

اور تمہارا حق مارا نہ جائے گا۔

صدقہ ان حاجت مندوں کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں گھر سے بیٹھے ہیں، ملک میں کسی طرف کو جا نہیں سکتے۔ بے خبری کی خودداری کی وجہ سے انکو غنی سمجھا ہے۔ تم انہیں دیکھو تو ان کے چہروں سے صاف پہچان جاؤ۔ لوگوں تک پست کر نہیں مانگتے۔ جو کچھ بھی تم انفاق کرو گے اللہ اسکو جانتا ہے۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي  
سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ  
يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ،  
تَقَرُّ قُلُوبُهُمْ بِسَبَابِهِمْ لَا يُسْأَلُونَ النَّاسَ الْحِافَا،  
وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ

جو لوگ رات اور دن، چھپے اور ظاہر اپنے مال خرچ کرتے ہیں، ان کے دیئے کا ثواب ان کے پروردگار کے ہاں بیگانہ ان پر خوف ہو گا نہ وہ آزرہ خاطر ہوں گے۔

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ  
وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ  
رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

ان آیات سے کئی امور پر روشنی پڑتی ہے:

۱۔ اللہ کی راہ میں دینے کا بہت زیادہ ثواب ہے۔

۲۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے خسارہ میں نہ رہیں گے، مگر کسی گونہ زائد بدلہ ملے گا اور وہ خوف و رنج سے محفوظ رہیں گے۔

۳۔ اللہ کی راہ میں دے کر احسان جتنا اور حاجت مندوں کو ستانا بہت بُرا ہے۔ اس سے نیکی برباد جاتی ہے۔

۴۔ لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرنا قابل ملامت ہے۔ یہ اپنے کیے پر خود پانی پھیرتا ہے۔

- ۵- اللہ کی راہ میں بری چیز نہ دینی چاہیے۔
- ۶- یہ خیال غلط ہے کہ اللہ کی راہ میں دینے سے ہم محتاج ہو جائیں گے۔
- ۷- اللہ کی راہ میں جو کچھ دیا جاتا ہے اللہ کو اس کا علم ہے۔
- ۸- علانیہ اور پوشیدہ دونوں صورتوں میں درست ہے، مگر چپ چپاتے دینا بہتر ہے۔
- ۹- اللہ کی راہ میں دینا دینے والے ہی کے لیے مفید ہے۔
- ۱۰- اس کے مستحق وہ حاجت مند ہیں جو اپنی خودداری کے سبب بظاہر بے نیاز نظر آتے ہوں اور اللہ پر بھروسہ کئے بیٹھے ہوں۔
- ۱۱- صدقہ مانگنے کے لیے لوگوں کے پیچھے پڑنا بہت برا ہے۔
- ۱۲- بیک مانگنا ممنوع ہے۔
- ۱۳- بہترین خیرات وہ ہے جو دن رات ہو، خیر جاری کی طرح اس کا سلسلہ وسیع رہے۔
- ۱۴- خیر جاری کرنے والوں کو اللہ پورا پورا معاف و مدد دے گا اور وہ اچھی طرح خوش کئے جائیں گے۔
- ان آیات کے ساتھ اگر وہ آیت بھی شامل کر لی جائے جو طرازِ تحریر و عنوانِ فضل ہے تو اس سے دو نہایت اہم نتیجے نکلتے ہیں:
- ۱- اللہ کی راہ میں دیتے ہوئے نبل سے کام لینا خود ہمارے لیے موجب نقصان ہے، اللہ کو ہمارے صدقات و خیرات کی احتیاج نہیں، ہمیں اسکے محتاج ہیں، مادہ تو بے نیاز ہے، اور اس دینے میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔
- ۲- اگر ہم نہ دینگے اور اللہ کے حکم سے موخر ہو جائیں گے تو ہم فنا کر دیے جائیں گے، اللہ بجائے ہمارے کسی دوسری قوم کو لا بٹھائے گا۔
- آخری نتیجے وان متولوا ایستبدل قوماً غلیظکم کو پڑھو اور سوچو کہ اصولِ تعاون کی دائرہ

کس قدر وسیع ہے کہ قوم کی موت و حیات اسی پر منحصر ہے۔ زندہ وہی قوم رہیگی جو اس ضابطہ کی پابند ہوگی، ورنہ قانون قدرت اس کو فنا کر دیگا اور کسی دوسری قوم کو اس کا قائم مقام بنا دیگا۔ اس حالت میں مسلمانوں کو اختیار ہے کہ اپنی زندگی کو ترجیح دیتے ہوں تو حاجت مندوں کی حاجت روائی کا انتظام کریں، ورنہ جو کیفیت اس وقت ہے یہ تادیر رہنے والی نہیں ہے۔ موت اسکے ساتھ لگی ہے۔ جس طرح (چار سو برس میں) ہندوستان کی سرزمین تیموریوں کو کھا گئی کہیں مسلمانوں کی قوم ہی اس تباہی و خستگی کی نذر نہ ہو جائے

بر لبہ بحر فنا منتظریم اے ساقی فرصتے داں کہ زلب تابدہاں این بہ نسبت

## اسلام نے اصولِ تعاون کو کیوں ترقی دی

وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ  
وَأَتَيْتُمُ النَّكَاحَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَرَبَّيْتُمُ  
الْوَالِدَاتِ وَالْبَنِينَ وَالضَّالَّةَ الْبَعْدَ ذَلِكَ  
مِنْكُمْ وَأَنْتُمْ بِأَعْيُنِنَا قَدْ كَفَرْنَا  
عَنْكُمْ قَدْ خَلَّيْنَاكُمْ فِي غِيَابَتِنَا  
فَمَا نَكْفُرُ عَنْكُمْ لَمَّا عَلِمْنَا  
مِنْكُمْ فَكَيْفَ نَكْفُرُ عَنْكُمْ لَمَّا  
عَلِمْنَا مِنْكُمْ فَكَيْفَ نَكْفُرُ عَنْكُمْ

اور اللہ نے کہا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، اگر تم صلاۃ کو قائم رکھو، زکاۃ دیتے، ہمارے رسولوں پر ایمان لاتے، اور ان کی مدد کرتے اور خوشدلی سے اللہ کو قرض دیتے رہو گے تو ہم ضرور تمہارا گناہ تم سے دور کر دیں گے اور ضرور تمہیں ایسے بلوں میں داخل کرینگے جنکے نیچے نہیں بہ رہی ہوگی۔ اسکے بعد تم سے جو غزاف کر لیا وہ سچ سچ سید راستے سے بٹک گیا۔

اسلام کا اصول یہ ہے کہ دنیا کے لیے جو کام مفید ہوتے ہیں اور جن پر دنیا والوں کی کامیابی منحصر ہوتی ہے وہ ان کاموں کی جانب اپنے پیروؤں کو ترغیب دے، تربیت دے، وعدہ و وعید سے، غرض جس طرح بھی مناسب ہوتا ہے، مائل کرتا ہے۔ جس کام میں نوع انسان کے لیے سب سے زیادہ فائدے مضمر ہوتے ہیں وہ "قرض" قرار پاتا ہے کہ اسکے ذریعے لوگوں کو فلاح ہو، اور جس میں اتنا فائدہ نہیں ہوتا اسکو درجہ بدرجہ سنت، نفل، مستحب

وغیرہ کے مراتب میں جگہ ملتی ہے۔

حاجت مندوں کی ضرورتوں کے رفع کرنے اور ایک منتظم شکل میں اس کام کو چلانے پر مسلمانوں کی جماعت کے قیام کا انحصار تھا اور کوئی ایسی صورت نہ تھی کہ بغیر اس ضابطے کے اسلامی شائستگی دنیا میں سنبھل رہ سکے۔ اسیلئے وحی الہی نے اسکی ادا مت فرض قرار دی، اور قرآن حکیم کی تعلیمات نے اس فرض پر اتنا زور دیا کہ اس فرض کو نہایت ہی عظیم اہمیت حاصل ہو گئی، اور اس کے لیے ذیل کے احکام مقرر ہوئے:

۱- اللہ کی راہ میں جو کچھ دیا جائے اس کا شرعی نام صدقہ ہے۔ صدقہ کی دو صورتیں ہیں؛ ایک وہ جو ہر شخص اپنی خواہش اور حیثیت اور معاشی حالت کے مطابق دیتا ہو، اس میں مقدار کی کوئی قید نہیں، جتنا چیکے جی ہیں اُسے خیرات کرے۔ دوسرے وہ جس میں تمام مالدار مسلمان محکوم ہیں کہ اپنی ملت کے قائد کے لیے سالانہ ایک خاص مقدار میں ٹیکس ادا کرتے رہیں۔ اس ٹیکس کا نام زکاۃ و صدقہ ہے، اور اس پر عمل درآمد یا اس کا ترک کفر و اسلام کا معیار قرار دیا گیا ہے۔

۲- ہر آسودہ حال مسلمان پر زکاۃ فرض ہے اور جب تک یہ فرض ادا نہ ہو اسکی تمام عبادتیں اور نیکیاں بے سود ہیں۔ شریعت نے آسودگی کا لٹاب بھی متعین کر دیا ہے۔

۳- زکاۃ دینے سے مال کا بقیہ حصہ پاک ہو جاتا ہے اور اگر نہ دی جائے تو وہ مال ناپاک محض ہے۔

۴- خیرات و زکاۃ میں دولت کا عرف گویا اللہ کو قرض دینا ہے، اسکی وجہ سے انسان کی بخشائش ہوتی ہے۔

۵- جو اس سے انحراف کرے وہ گمراہ ہے۔

ان احکام کی بنا پر زکاۃ کے لیے ایک خاص نظام تجویز ہوا اور اسکو مخصوص ادارہ سے متعلق کیا گیا۔ اس ادارہ کا نام "بیت المال" تھا اور اس کا باقاعدہ افتتاح تقریباً ۱۵ھ ہجری میں ہوا۔ بیت المال کی بعض قابل ذکر خصوصیتیں جن کو ہمارے موضوع بیان سے تعلق ہے یہ تھیں:

۱- بیت المال کا مرکزی ادارہ مدینہ مبارکہ میں تھا لیکن اسکی شاخیں ممالک مفتوحہ و محروسہ کے ہر ناحیہ اور ہر صدر مقام میں قائم تھیں۔ مسلمانوں کی ہر قسم کی ملی و دینی ضروریات کی کفالت اسی ادارہ سے متعلق تھی۔ مستحقین کے وظائف تھے۔ اشاعت اسلام کا مادی و اخلاقی دونوں طریقوں سے نہایت وسیع پیمانے پر انتظام تھا۔ اسلامی تہذیب کو قرآن کریم کے معیار پر رکھنے، جائز و مسائل سے اس کی اشاعت کرنے اور دنیا کو اسکے زیر سایہ لانے کا بندوبست تھا۔ رفاہ عام کے تمام کام اسی محکمہ سے انجام پاتے تھے۔ تعلیم بڑی اولوالعزمی کے ساتھ عام طور پر دی جاتی تھی۔ مرد و عورت سب اس سے حکماً مستفید ہوتے تھے، الی غیر ذلک۔ صوبوں اور ضلعوں میں بیت المال کی جس قدر شاخیں تھیں ان کا یہ انتظام تھا کہ ان تمام مصارف کے لیے جس قدر مال مقامی ضروریات کے لیے درکار ہوتا رکھا گیا جاتا اور باقی مرکزی ادارہ کو بھیج دیا جاتا۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصر کے والی عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو فرمان لکھا تھا اس میں یہ صاف تصریح موجود ہے (کنز العمال، ج ۱، صفحہ ۱۶۳)

۲- تعلیمی آسائشوں کے لیے بیت المال سے مناسب وسائل فراہم تھے۔ اسلام سے قبل عام تعلیم کا سرے سے رواج ہی نہ تھا اور اگر برائے نام کہیں کچھ تھا بھی تو بہت ہی محدود۔ کسی ذی علم کو شوق ہوا اور وقت بھی ملا تو اس نے چند شاگردوں کو پڑھا دیا۔ لیکن چونکہ اس کے لیے کسی معاوضے کا دستور نہ تھا اس لیے اس ایشیا نفس کا بہت کم موقع ملتا تھا۔ اسلام کے زیر سایہ جب عام تعلیم کا بندوبست ہوا تو ساتھ ہی اساتذہ اور افسران تعلیم بھی مقرر ہوئے جنکو بیت المال سے عطائیں ملتی تھیں (سیرۃ العمرین لابن الجوزی)

۳- اسلامی تہذیب و تمدن اور آداب و اخلاق کی بنیاد صرف قرآن حکیم پر تھی اس لیے اسکی تعلیم لازمی و جبری کر دی گئی۔ چند تعلیمی افسر مقرر تھے جن کا کام یہ تھا کہ تمام قبائل میں پھر کے ہر شخص کا امتحان لیں اور جو قرآن کریم کی تعلیم سے بے بہرہ ہوا اسکو سزا دیں (کتاب الاغانی، ج ۱، ص ۵۸)

۴- بیت المال کی آمدنی سے جا بجا مکتب اور مدرسے قائم تھے جن میں لکھنے پڑھنے کے ساتھ

شہسواری کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ ابرو عام سلیم کی روایت میں مدینہ مبارکہ مکتب کا تذکرہ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے کی تعلیم پر زور دیا جاتا تھا (مجم البلدان، مادہ حاضر)

۵۔ عمال کو حکم تھا کہ جو لوگ قرآن حکیم کا درس لیں ان کے لیے بیت المال سے عطا مقرر کر دی جائے

(دکنز العمال، ج ۱۱ ص ۲۱۷)

۶۔ زبان کی تعلیم کا بڑا اہتمام تھا۔ ادب و عربیت اور فرائض کی تعلیم بھی لازمی تھی اور ان کے مصارف بیت المال کے ذمے تھے۔ حکم تھا کہ جو کوئی لغت کا عالم نہ ہو قرآن کریم کی تعلیم نہ دینے

پائے (دکنز العمال، ج ۱ ص ۲۲۸)

۷۔ مالک محروسہ میں جا بجا بڑے بڑے اکابر مامور تھے کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دیا کریں۔ کوفہ میں عبداللہ بن مسعود، بصرہ میں معقل بن یسار و عبداللہ بن مغفل و عمران بن حصین، شام میں عبادہ بن صامت و ابو دروار رضی اللہ عنہم حدیث کی تعلیم و روایت کے لیے متعین تھے۔ اور تاکید تھی کہ حوام اس فن میں ان بزرگوں کے علاوہ کسی سے رجوع نہ کرنے پائیں (اسد الغابہ، ترجمہ عبداللہ بن مغفل)

۸۔ چونکہ فقہ پر معاملات و عبادات کی صحت کا مدار ہے اس لیے ہر شہر میں متعدد فقہاء اس فن کی تعلیم کے لیے متعین تھے۔ بصرہ میں دس اہل کمال اس فن کی باقاعدہ تعلیم دیتے تھے۔ شام میں عبدالرحمن بن غنم و عبادہ و معاذ بن جبل و ابو دروار رضی اللہ عنہم اس کی تعلیم کے ذمہ دار تھے۔ مصر میں حبان بن ابی جبہ رئیس التعلیم تھے۔ تمام علاقوں میں یہی انتظام تھا۔ وقت کی ضرورت کے مطابق بڑے بڑے اہل فن افسر تعلیم مقرر تھے، اور اسکے تمام مصارف بیت المال سے ادا کیے جاتے تھے۔

ان انتظامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں میں تعلیم عام ہو گئی۔ ہر شہر میں کئی کئی ہزار طالب العلم ایک ایک حلقہ درس میں زیر تعلیم رہا کرتے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ نماز فجر کے بعد ابو دروار رضی اللہ

عند جب حلقہ درس میں بیٹھتے تھے تو قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے والوں کا انکے گرد ہجوم ہوتا تھا۔ ابوردو ار نے دس دس طلبہ کی جماعتیں مقرر کر دی تھیں۔ ہر جماعت کا ایک خاص معلم ہوتا تھا۔ خود ٹیبلت لے جاتے اور سب کی نگرانی کرتے۔ جب کوئی طالب علم پورے قرآن کی تعلیم و تجوید سے فارغ ہو چکتا تو وہ خاص ان حلقہ درس میں داخل ہوتا۔ ایک دفعہ شمار ہوا تو خود ان کے حلقہ درس میں بیٹھنے والوں کی تعداد ایک ہزار چھ سو تھی۔ اور ان کے علاوہ بارہ ہزار چار سو طلبہ ان کے زیر نگرانی علوم قرآن کی تعلیم پا رہے تھے۔

عام تعلیم کی یہ کیفیت تھی کہ آٹھ آٹھ برس کے لڑکے قرآن کریم حفظ کر لینے کے ساتھ تفسیر سے بھی مناسبت پیدا کر لیتے تھے۔ گیارہ برس کی عمر میں نحو، ادب، بلاغت، فقہ، حدیث اور علم کلام کی تکمیل ہو جاتی تھی (کتاب الامارہ والیاسہ، ج ۲، ص ۴۱)۔

یعنی اس زمانہ میں جتنے علوم مروج تھے بیت المال سے ان سب کی تعلیم کا انتظام تھا۔ اور بہت ہی کم مدت میں طالب علم فارغ التحصیل ہو جاتے۔ ہر فن کی منتخب کتابیں بہت مختصر تعداد میں پڑھائی جاتی تھیں۔ نصاب تعلیم کی تنقیح پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا جاتا تھا۔ کتابوں کی تبدیلی میں یہ رعایت ملحوظ ہوتی تھی کہ سال بسال جس فن میں نئی ترقیاں ہوتی رہیں نصاب تعلیم ان سب پر حاوی ہو۔ اور اسکے لیے اس کے لوگ مامور تھے جو اکثر اوقات بک فنی ہوتے۔

ان تفصیلات سے اہل نظر اندازہ کر سکتے ہیں کہ ابتدائی صدیوں میں اسلامی تمدن کو کن وسائل سے ترقی نصیب ہوئی۔ وہ کونسی طاقت تھی جس نے مسلمانوں کو دنیا کی شہرت و شایستگی کے دارت بننے میں مدد دی تھی، اور امام مالک کے قول العلم والدین تو امان کا کیا فلسفہ تھا اور دنیا پر اس کے کیا اثر پڑا۔

نگرش چشم سیاہ تو شد کار آموز      درہ مستوری دستی ہمہ کس نتوانند